مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

مدرس جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

شوال کے ۶ روزوں کے بارہ میں لاعلمی یا تجاہل عارفانہ

ماہ شوال المکرم ۱۴۳۲ھ کو مدرسہ احسن العلوم کراچی سے شائع ہونے والا ماہنامہ ''الاحسن'' موصول ہوا۔ جس میں مولوی محمد ہمایوں مغل صاحب کا مضمون بنام ''حسن المقال علی دجل صفوة الاقوال '' نظر سے گزرا۔ اولاً تو مضمون نگار کے انداز تخاطب جو ایک عالم دین کے قطعاً شایان شان نہ تھا' اسی لئے مضمون کو اہمیت نہ دی۔ مگر بعد میں بعض اہل علم کے اصرار پر مضمون کے بعض مقامات اور خصوصاً جن خودساختہ اصولوں کے ذریعہ مضمون نگار نے ماہ شوال کے چھ روزوں کے استحباب کا ثابت شدہ حکم کو کراہت، بدعت اور مشتبہات میں داخل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے' پر مختصراً چند سطور لکھنے کا ارادہ کیا۔ تا کہ موصوف کی علمیت اور قوت استدلال علمی حلقوں پر واضح ہو جائے۔ ورنہ شوال کے چھ روزوں کے استحباب کیلئے اس ناچیز کا رسالہ ''صفوة الاقوال فی صیام ستہ من الشوال'' کافی ہے، جسکے بارے میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ نے اپنی تقریظ میں لکھا ہے کہ ''میرا احسن ظن ہے کہ اس محنت وجدوجہد کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی طالب علم کو شوال المکرم کے چھ روزوں کے استحباب کے حوالے سے شکوک وشبہات کا الجھاؤ نہیں رہے گا''

(صفوة الاقوال ص ۱۲)

مگر بعض حضرات کی عادت وفطرت ہوتی ہے کہ وہ اعتراض پہ اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں چاہے ان کے اعتراض کا کوئی علمی مقام اور وزن ہو یا نہ ہو، مگر اعتراض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مضمون نگار نے اپنے مضمون میں یہی انداز اختیار کیا ہوا ہے' حالانکہ فروعی مسائل میں اختلاف کا سلسلہ آج سے نہیں بلکہ دور صحابہ سے لیکر آج تک چلا آرہا ہے، مگر کسی نے بھی فروعی مسائل میں اختلاف کرنے والے اپنے مخالف کے بارے میں ایسا انداز تخاطب اختیار نہیں کیا ہے، اگر ایسا انداز تخاطب درست ہوتا اور شریعت مقدسہ میں اسکی گنجائش ہوتی تو مقلدین امام ابوحنیفہؒ اور اسکے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ کے بارے میں اختیار کرتے کہ انہوں نے اسی مسئلے میں اپنے شیخ سے اختلاف کرتے ہوئے ان روزوں کو مسنون قرار دیا ملاحظہ ہو البحر الرائق ۲/۴۵۱ اور متاخرین علماء احناف باوجود امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلدین ہونے کے انہوں نے آپؒ کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ (تفصیل کے لیے صفوة الاقوال صفحہ ۳۲ تا ۴۳ ملاحظہ فرمائیں)

مگر مضمون نگار اپنے اس مضمون میں شوال کے چھ روزوں کی مخالفت میں اس حد تک گئے ہیں کہ رسالہ صفوة الاقوال کے

صفحہ ۵۳ تا ۱۰۰ پر حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ثوبانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت براء بن عازبؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت طاؤسؒ سے مروی دس روایات ہیں جنکے بارے میں تفصیلاً انکی سندی بحث ان پر کیئے گئے بعض اعتراضات اور انکے جوابات جو صفوۃ الاقوال میں مذکور ہیں تو وہ دس روایات بھی ان روزوں کے استحباب کے لئے مضمون نگار کے ہاں کافی نہیں۔ان روایات کو تو مضمون نگار نے یکسر نظر انداز کر کے ان روزوں کو مشتبہات میں شامل کیا چنانچہ لکھتے ہیں

”تو کم از کم یہ روزے مشتبہ تو ہو ہی گئے اور مسلمانوں کی یہ شان نہیں کہ وہ مشتبہات کے پیچھے دوڑیں کیونکہ بمقتضائے حدیث الحلال بین و الحرام بین و بینهما مشتبهات فمن اتقى الشبهات لیکن عجیب بات ہے کہ عام مسلمانوں کا تذکرہ تو چھوڑ یئے ہمارے دور کے مولوی بھی مشتبہات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں (ملاحظہ الاحسن صفحہ ۲۸ تا ۳۹)

الجواب: حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ثوبان، حضرت براء بن عازب، ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم اجمعین اسی طرح علماء شوافع، علماء حنابلہ، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ ’متاخرین علماء احناف اور ہمارے اسلاف و اکابرین جوان روزوں کو رکھتے تھے اور اُن کو مستحب سمجھتے تھے‘ کیا یہ سب مشتبہات کے درپے تھے؟ فیا عجباً‘ مناسب تھا کہ اس قسم کے کلمات کو لکھتے وقت سوچ لیا جاتا تاکہ ان پاک ہستیوں کی شان میں اس قسم کے کلمات نہ لکھے جاتے۔اس لیے اہل بصیرت فرماتے ہیں کہ پہلے تو لو پھر بولو۔بہر حال ہر ایک کا اپنا انداز بیان ہوتا ہے۔وللناس فیما یعشقون مذاهب۔

مگر فاضل مضمون نگار نے شوال کے چھ روزوں کو مکروہ ثابت کرنے کیلئے جن اصول کا بزعم خود سہارا لیکر ستہ شوال والی روایت کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔تو اولاً ہم موصوف کے اصول کو نمبر وار لکھیں گے اور پھر قارئین پر واضح کرینگے کہ کیا اس جال میں خود صیاد تو نہیں آیا؟

مغل صاحب کا پہلا اصل (ضابطہ): موصوف کا پہلے اصل کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث پر عمل کرنے کیلئے ضروری ہے فقہاء کرام کا اس حدیث پر عمل ہو ملاحظہ ہو(الاحسن صفحہ ۳۶) اور اس اصل کو ثابت کرنے کے لیے موصوف نے امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ کا حوالہ دیا ہے۔

الجواب: موصوف کے اس اصل کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو حدیث کی صحت کے لیے صرف فقہاء کرام کا اس حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔ذخیرہ کتب میں یہ اصل نہیں دیکھا گیا معلوم نہیں کہ موصوف نے یہ قانون وضابطہ کہاں سے اخذ کیا ہے؟ انہیں حوالہ دینا چاہیے تھا۔ہاں ضعیف حدیث کی صحت اور حجیت کے لیے فقہاء کرام اور امت کا تلقی بالقبول کافی ہے (تفصیل کے لیے صفوۃ الاقوال صفحہ ۷۳ ملاحظہ ہو)

ثانیاً: لیکن اگر بالفرض دو منٹ کے لیے موصوف کے اس اصل کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو موصوف کا ذکر کردہ یہ اصل بھی

ستہ شوال کے حدیث کو مخدوش نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اسی روایت پر فقہاء کرام کا ہی عمل چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ مضمون نگار نے ۲۰۰ علماء کرام اور فقہاء کرام کے مرتب کردہ کتاب الموسوعۃ الفقھیۃ کا اہم نوٹ کے عنوان کے تحت جو حوالہ دیا ہے اسی کتاب کی چند عبارات اس لئے پیش کیے جاتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس روایت پر فقہاء کرام کا عمل ہے یا نہیں اور موصوف کا یہ اصل اس روایت کو نا قابل صحت بنانے کیلئے کس حد تک درست ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو الموسوعۃ الفقھیہ

(۱) ذهب جمهور الفقهاء الى ...... والشافعية والحنابلة و متاخرو الحنفية الى انه يسن صوم ستة ايام من شوال بعد صوم رمضان (الموسوعة الفقهية ۲۸/۹۲)

جمہور فقہاء کرام......شافعیہ، حنابلہ اور متاخرین علماء احناف اس بات کی طرف گئے ہیں کہ رمضان کے روزوں کے بعد شوال کے یہ چھ روزے رکھنا سنت ہے۔

(۲) مذهب الشافعية استحباب صومها لكل احد سواء أصام رمضان ام لا (الموسوعة الفقهية ۲۸/۹۳) شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ شوال کے یہ چھ روزے ہر کسی کے لیے مستحب ہے چاہیے اُس نے رمضان کے روزے رکھے ہوں یا نہ۔

(۳) و عند الحنفية تستحب السنة متفرقة كل السبوع يومان (الموسوعة الفقهية ۲۸/۹۳)

اور حنفیہ کے ہاں شوال کے یہ چھ روزے متفرق طور پر کہ ہفتے میں دو دن روزہ رکھے مستحب ہے۔

اسی طرح علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ نے لکھا ہے:

(۴) قال العلامه اكمل الدين البابرتي، و ذهب الاكثرون الى علم كراهته عملاً بظاهر الحديث بحواله تحرير الاقوال ۴۲/العناية)

کہ اکثر فقہاء کرام ان روزوں کو ظاہری حدیث پر عمل کرتے ہوئے مکروہ نہیں سمجھتے۔

قال في المغني ان هذا الصوم مستحب عند كثير من اهل اعلم روى ذلك عن كعب الاخبار والشعبي و ميمون بن مهران وبه قال عبدالله بن مبارك والامام الشافعي والا مام احمد ين حنبل واسحاق بن راهويه ومن عددناه من علمائنا (تحرير الاقوال ۴۴)۔

شوال کے یہ چھ روزے اکثر اہل علم کے ہاں مستحب ہیں اور یہ حکم کعب اخبار، امام شعبیؒ، میمون بن مہران سے مروی ہے، اور اسی پر عبداللہ ابن مبارک، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راھویہ اور ہمارے علماء میں سے بہت سارے علماء کا فتویٰ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا موصوف کے ہاں مالکیہ، شافعیہ حنابلہ اور متاخرین احناف فقہاء کرام میں داخل ہیں یا نہیں اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو موصوف نے حدیث ستہ شوال کی نا قابل حجت ہونے کے لیے جو اصل تحریر کیا ہے وہ اس حدیث پر لاگو نہ

ہوگا اس لیے کہ اس روایت پر فقہاء کرام کا بھی عمل رہا ہے اور اب بھی ہے اسلیے موصوف کے بیان کردہ اصل کے مطابق بھی ستہ شوال والی حدیث صحیح اور قابل حجت ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے ع لو خود اپنے دام میں صیاد آ گیا

مغل صاحب کا دوسرا اصل (ضابطہ) یہ ہے: مغل صاحب نے شوال کے چھ روزوں کی تردید کے لیے ایک دوسرا اصل ایک اہم اصول کے عنوان سے یہ لکھا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں سنت اور بدعت کے درمیان تعارض آ جائے یا کوئی سنت اہل بدعت کا شعار بن جائے تو اس سنت کو بھی ترک کر دیا جاتا ہے۔ شیخی واستاذی وسندی (مولانا مفتی زرولی خان) نے احسن المقال کے صفحہ ۳۶ پر اس کو ذکر فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو الاحسن' ص ۳۸) اور مزید لکھتے ہیں کہ جب کسی فعل میں تردد واقع ہو جائے اور اس میں بدعت اور سنت کو متعین کرنا ممکن نہ ہو تو اسی صورت میں سنت کو ترک کر کے بدعت کو چھوڑنے پر ترجیح دی جائے گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر سنت پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ لیکن ہر بدعت سے اجتناب فرائض کے درجے میں سے ہے۔ (الاحسن' ص ۳۹)

الجواب: یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ شوال کے چھ روزے کس طرح بدعت ہیں؟ اور بدعت کی کونسی تعریف ان روزوں پر صادق آتی ہے؟ حدیث پاک میں تو بدعت ہر اس عمل کو کہا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت نہ ہو۔ یا آپ ﷺ نے اس عمل کے بارے میں قولاً یا عملاً کچھ نہ فرمایا ہو۔ حالانکہ شوال کے چھ روزوں کے ثبوت کے بارہ میں دس روایات مروی ہیں' پھر بھی ان روزوں کو بدعت کہا جا رہا ہے۔ قارئین خود انصاف کریں۔

اس کے علاوہ یہ روزے سلفاً وخلفاً عملی طور پر ثابت ہیں جن میں حضرات صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی گزشتہ صفحات میں ذکر کئے گئے ہیں' یا جن ائمہ مجتہدین شافعیہ' حنابلہ' مالکیہ' متقدمین ومتاخرین علماء احناف اور جن چھ بڑے بڑے دارالافتاء ومفتیان عظام کے فتاویٰ صفوۃ الاقوال کے صفحہ 51 تا 53 پر درج ہیں۔ جن میں دارالعلوم دیوبند' دارالعلوم کراچی' خیر المدارس ملتان' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ قابل ذکر ہیں۔ کیا یہ حضرات اہل بدعہ ہیں؟ جو ان روزوں کو مستحب سمجھتے ہیں اور کیا ان کے شعار بنانے سے ان روزوں کو ترک کیا جائیگا؟ یا جن محدثین نے ان روزوں کے اثبات کے لئے باب باندھ کر ان کے نیچے حدیث ستہ شوال ذکر کی ہے کیا یہ حضرات اہل بدعت میں شمار ہیں؟ اور امت مسلمہ کے کس فقیہی نے ان روزوں کو بدعت کہا ہے؟

مضمون نگار کو کسی معتبر کتاب کا حوالہ دینا چاہیے تھا مگر چونکہ ان روزوں کو بدعت کہنا والا کوئی نہیں علاوہ مضمون نگار اور بقول اس کے شیخ اور استاد کے۔ اس لئے انہوں نے صرف کراہت کا حوالہ دے کر اس سے بدعت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ بدعت ایک قبیح عمل ہے اور اس کا مرتکب جہنمی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار (الحدیث)** کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔

تو ان روزوں کے استحباب کے قائلین کو بدعت کے مرتکب ہونے کی نسبت کرنا ایک انتہائی جسارت ہے جو صاحب علم کو

زیب نہیں دیتا۔

موصوف نے مذہب حنفی کے حوالہ سے احقر کے رسالے صفوۃ الاقوال کی تردید کے لئے صرف کتابوں سے امام ابوحنیفہؒ کی طرف کراہت کے قول کی نسبت پر زور دیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے ان روزوں کی کراہت مروی ہے۔ اور فلاں فلاں کتاب نے اس قول کو ذکر کیا (ملاحظہ ہو الاحسن ص ۴۷)

الجواب: مگر کیا یہ ضروری ہے احناف کا مذہب وہ ہوگا اور وہی قول راجح ہوگا جو صاحب مذہب سے مروی ہو، اگر چہ اس مذہب کے اصحاب ترجیح نے صاحب مذہب کے قول کے خلاف دوسرا فتویٰ دیا ہو، اگر یہ جب ضروری ہے اور اسکے خلاف صریح دلائل کی وجہ سے دوسرے قول کو ترجیح دینا ناجائز اور گناہ ہے تو پھر اجرت علی الطاعات میں صاحب مذہب امام ابو حنیفہؒ سے عدم جواز نقل ہے جبکہ متاخرین فقہاء احناف نے جواز کا قول کیا ہے اور متاخرین فقہاء کرام کی ترجیح پر مضمون نگار صاحب کے استاذ اور شیخ مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب مدظلہ بھی فتویٰ دیا کرتے ہیں (ملاحظہ ہو مولانا مفتی محمد زرولی خان مدظلہ کا رسالہ دینی امور پر اجرت لینا جائز ہے) تو کیا یہاں پر مضمون نگار کو صاحب مذہب کی رائے اور قول معلوم نہیں یا کوئی اور مجبوری ہے۔

اسی طرح مفقود الخبر کے مسئلے میں متاخرین علماء احناف نے امام مالکؒ کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے (ملاحظہ ہو فتاوی شامی)

اسی طرح بیع سلم کے ایک صورت میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے شافعیہ کے مسلک پر فتوی دیا ہے (ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ۳/۲۱)

اسی طرح گائے، بکری وغیرہ جانور کو نصف پر دینے کے مسئلہ میں حنابلہ کے قول پر فتویٰ ملاحظہ ہو (امداد الفتاویٰ ۳/۳۴۳)

اسی طرح اور بھی مسائل ہیں کہ اکابرین کے فتاویٰ کے خلاف صاحب مذہب کا دوسرا قول مروی ہیں تو جناب مضمون نگار صاحب ان اکابرین اور اپنے شیخ کے فتاویٰ کو بھی دجل کہے گا۔

<u>فقہ حنفی مفتی بہ قول سے عبارت ہے:</u> جبکہ مضمون نگار کا یہ اصول قابل غور ہے کہ فقہ حنفی میں وہی مسئلہ راجح جو صاحب مذہب امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہو اس لئے کہ کتب فقہ میں بے شمار ایسے مسائل درج ہیں اور ان پر فتویٰ بھی دیا جاتا ہے جو صاحب مذہب سے منقول نہیں ہیں بلکہ صاحب مذہب سے ان کے خلاف اقوال منقول ہیں۔ مگر اصحاب ترجیح نے صاحب مذہب کے قول کے علاوہ ان کے تلامذہ کے اقوال پر فتویٰ دیا ہے۔

اس لئے اصول افتاء کی کتابوں میں یہ ضابطہ لکھا ہوا ہے:

ان كان فى المسئلة قولان او روايتان او اكثر وجب الاخذ بمارجحه اصحاب الترجيح (المصباح ۱/۳۵۸)

جب کسی مسئلے میں دو اقوال یا روایات یا اس سے زیادہ اقوال اور روایات ہوں تو اصحاب الترجیح نے جس قول کو راجح قرار دیا ہو اس کو لینا واجب ہے۔ اور علامہ شامی نے لکھا ہے:

(۲) لو صححوا رواية أخرى من غير كتب ظاهر الرواية يتبع ماصححوه ...... ان القاضى المقلد لايجوز له أن يحكم الابما هو ظاهر الرواية لا بالروية الشاذة الا أن ينصوا على أن الفتوىٰ عليها (شرح عقود رسم المفتى ٦٥)

کہ اگر اصحاب ترجیح نے اُس روایت کی تصحیح کی ہو جو کتب ظاہر الروایۃ کے علاوہ دوسری کتابوں میں موجود ہو تو مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اس روایت کی پیروی کرے (اس پر فتویٰ دے) جس کو اصحاب ترجیح نے صحیح کہا ہو...... بیشک مقلد قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف اس قول کے مطابق فیصلہ کرے جس کے بارے میں اصحاب ترجیح نے کہا ہو کہ فتویٰ اسی پر ہے۔ نہ صرف ظاہر الروایۃ پر فیصلہ کرے اور نہ روایت شاذہ پر۔ لہذا کتب فقہ میں اگر چہ امام ابوحنیفہؒ سے ان چھ روزوں کے بارے میں کراہت کا قول مروی ہے مگر اصحاب ترجیح نے امام صاحب کے قول کے خلاف استحباب کے قول کو ترجیح دی ہے اور اس کو مفتی بہ قرار دیا ہے چنانچہ چند عبارات پیش کئے جاتے ہیں

علامہ قاضی خان کی ترجیح:

علامہ فخر الدین المعروف بقاضی خان جس کو علامہ ابن کمال پاشاؒ نے فقہا کے طبقہ ثالثہ (طبقہ المجتہدین فی المسائل) میں شمار کیا ہے ۔ملاحظہ ہو (شرح عقود رسم المفتی ۴۵)

آپ نے اگر چہ یکرہ والا جزئیہ اپنی کتاب فتاویٰ قاضی خان میں درج کیا ہے جس کا حوالہ صاحب مضمون نے الاحسن کے صفحہ ۴۶ پر دیا ہے مگر فتاوی قاضی خان کے اسی صفحہ پر علامہ صاحب نے ترجیح استحباب کو دی ہے والمختار أن لايكره ويستحب الامساك (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الهندية ۱/ ۲۰۶)

فتاویٰ ہندیہ کی ترجیح:

اسی طرح فتاوئ ہندیہ میں بھی اگر چہ کراہت کا قول موجود ہے مگر ترجیح عدم کراہت کو ہے ملاحظہ ہو والاصح انه لاباس به كذا فى محيط السرخسى وتستحب الستة متفرقة كل السبوع يومان كذا فى لظهيرية (فتاوىٰ هندية ۱/ ۲۰۱) اصح یہ کہ بیشک یہ روزے مستحب ہیں جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے اور یہ چھ روزے متفرق طور پر ہر ہفتے میں دو روزے رکھنا مستحب ہے جیسا کہ ظہیریۃ میں ہے

شمس الائمہ کی ترجیح:

اسی طرح فتاوی تاتارخانیہ میں اگر چہ امام صاحب کی طرف منسوب قول کراہت درج ہے' جس کا حوالہ الاحسن کے صفحہ ۴۶ پر درج ہے۔ مگر فتاویٰ تاتارخانیہ کے اسی صفحہ پر شمس الائمہ الحلوائی کے حوالہ استحباب کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

أن الكراهة فى المتصل برمضان اما اذا اكل بعد العيد اياماً ثم صام لايكره بل يستحب (فتاوى

تاتارخانیة ۲/۳۸۲ بیشک کراہت ان روزوں میں ہے جو رمضان کے ساتھ متصل رکھیں جائیں البتہ عید کے بعد کچھ دن کھائے پیئے اور پھر شوال کے روزے رکھے تو پھر مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہیں۔

شمس الائمہ الحلوائیؒ کا مقام: علامہ ابن کمال پاشانے آپ کو طبقۃ المجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (شرح عقود رسم المفتی ۴۶، دار الکتاب کراچی)

اور یہی عام متاخرین علماء احناف کا مذہب ہے، چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ کے اسی صفحہ پر لکھا ہے

و عامة المتاخرينؒ لم يروابه بأساً (فتاوى تاتارخانيه ۲/۳۸۸)

عامہ متاخرین نے ان روزوں کو مستحب سمجھتے ہیں۔

اسی طرح مضمون نگار نے کراہت کے لئے الاحسن میں البحر الرائق کا جو حوالہ دیا ہے لیکن اگر صاحب مضمون تھوڑی سی تکلیف کر کے دوسری سطر میں دیکھتے تو لکن عامة المتاخرين لم يروابه باسا کی عبارت دیکھ لیتے اور پھر تھوڑی سی اور تکلیف کرتے ہوئے البحر الرائق کا حاشیہ مطالعہ فرماتے تو علامہ ابن عابدین کی ترجیح بھی نظر آجاتی۔ چنانچہ البحر الرائق کے اس صفحہ پر علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں

لكن عامة المتاخرين لم يروابه باساً فلسرد عبارتهم العلامة قاسم فى فتاواه ورد قول من صحح الكراهة (منحه الخالق حاشيه البحر الرائق ۲/۴۵۱)

صاحب ھدایہ کی ترجیح: صاحب علامہ برہان الدین المرغینانیؒ نے بھی استحباب کو ترجیح دی ہے:

والمختار أن الكراهة انما كانت لانه لا يامن من ان يعد ذلك من رمضان فيكون تشبهاً بالنصارىٰ والان زال هذا المعنى (التجنيس والمزيد ۲ج۲ ۴۱۲، ۴۱۳)

صاحب ھدایہ کا مقام: علامہ ابن کمال پاشانے آپؒ کو طبقہ اصحاب الترجیح میں شمار کیا ہے (ملاحظہ ہو شرح عقود رسم المفتی ۴۸)

ابو اللیث سمرقندیؒ کی ترجیح: منهم من كرهه و المختار هنه لاباس به لان الكراهة إنما كانت لأنه لا يؤمن عن أن يعد ذلك من رمضان فيكون تشبها بالنصارى والان فلذال هذ المعنى (فتاوى نوازل)

اسی طرح التجنیس کے حاشیہ میں ان روزوں کے بارے میں مذکور ہے

بل مستحب وسنة وأشار ابى هذا فى الظهيرية والبحر الرائق والمحيط السرخسى وغيرها من كتب اصحابنا (حاشيه التجنيس والنريد ۲/۴۱۳)

بلکہ یہ روزے مستحب اور سنت ہیں اور اسی کی طرف ظہیریہ، البحر الرائق، محیط سرخسی اور ہمارے اصحاب کے دوسری کتابوں میں اشارہ ہوا ہے۔ اس لئے ایک حنفی مفتی صاحب کو اس مسئلہ میں اصحاب ترجیح کی تصحیح کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے اور یہی اس وقت مذہب حنفی ہے۔ (جاری ہے)